خواب شیشے کا

عفت سحر طاہر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

آسمان سے بارش برسنے کا آج عجیب ہی منظر تھا۔ تند و تیز پر شور ہواؤں کے ساتھ، مگر مسلسل۔ کسی بیوہ اور کسی یتیم کے آنسوؤں کی سی روانی کے ساتھ۔

"کون ہے یہ... تمہاری ناجائز اولاد؟" تیز... سماعتوں میں چبھتی آواز۔

اس کا ساکت جسم ہلکا سا تھرایا۔

"خدا کی قسم! آپ کا خون... آپ کے بیٹے کا جانشین۔ آپ کا وارث..." کوئی تڑپ کر گڑگڑایا۔

"جاؤ بی بی! جاؤ... جا کے ثبوت لاؤ۔"

تنفر، حقارت اور رعونت... سب کچھ تھا فرعون وقت کے لہجے میں اور پھر ایک عورت کی چلچلاتی آواز۔

"پتا نہیں کس گندی نالی کا کیڑا ہے... معاف کرو بی بی ہمارے سر مت منڈھو اپنے گناہوں کی پوٹلی..." وہاں سب ہی ایسے تھے اس کا تنفس تیز تر ہوا۔

کسی نے دھکے دے کر انہیں زبردستی بارش اور تیز ہواؤں کے سپرد کر دیا تھا۔

اس کی ماں برستے پانی میں سڑک پر ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گری تو وہ بے قرار سا تڑپ اٹھا۔ ان کی پیشانی لہو میں تر تھی۔

"امی...!" زور سے انہیں پکارا اور بے اختیار ہی اٹھ بیٹھا۔
اپنے نرم بستر میں... کمرے کے پرسکون ماحول میں... اسے آگ لگتی محسوس ہوئی۔
یہ خواب... یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا اور جب تک وہ زندہ تھا شاید تب تک اسے یونہی اس کا خود سے کیا وعدہ یاد دلاتا رہنے والا تھا۔
"کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا... ماں۔ جہاں لا کے ہمیں پھینکا گیا تھا ایک دن ان کو بھی وہیں اوندھے منہ گراؤں گا۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ تھیں اور دل میں وہ ہمیشہ کی طرح وہی عہد دہرا رہا تھا جو وہ ہر بار یہ خواب دکھائی دینے پر خود سے کیا کرتا تھا۔

☆ ☆ ☆

عالیشان سے "آفندی ہاؤس" میں اس وقت خوب صورت سی ہلچل مچی ہوئی تھی اور مزے کی بات یہ کہ ساری ہی نسوانی چیخ و پکار۔
"اللہ..." چچی جان نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تو ذرا ہی دیر میں ناشتے کی میز پہ مچی ہلچل تھمی۔
"کیا ہوا امی...؟" فرزین نے تشویش سے پوچھا۔
"اُفوہ! صبح سے اکیلی کچن میں لگی ہوئی ہیں۔ طبیعت خراب ہو گئی ہو گی۔" تزئین کو خیال آیا۔
"بی پی لو ہو گیا ہو گا... انڈا کھلاؤ۔" ملاحہ نے اپنی ڈاکٹری جھاڑی اور پھر اس پہ الگ بحث۔
"ارے نہیں بی پی میں یہ تھوڑی... فلاں فلاں چیز اور فلاں... ارے نہیں... وہ لاؤ..." اگلے ہی لمحے ناشتے کی میز پھر سے مچھلی بازار۔
"نکمیوں... نالائقوں بس کرو اب۔" چچی جان نے گرج کر کہا تو سب کی سب آنکھیں پھاڑے تشویش زدہ ہو گئیں۔
"ہائیں۔ ہم تو ہمدردی کر رہے ہیں امی..." فرزین نے منہ بسورا۔
چچی جان نے... سے ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔ "میں باز آئی ایسی ہمدردی سے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سر میں درد کے ساتھ ڈپریشن میں بھی مبتلا کر دیا تم لوگوں کی ہڑبونگ نے۔"
"لو جی... نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں۔" ملاحہ ہلکا سا منہ بنا کر اپنے ناشتے پر جھک گئی۔
"ابھی اگر آغا جی یہاں ہوتے تو پھر دیکھتیں ان سب کی بولتی کیسے بند ہوتی ہے۔" تائی جان کا انداز مخصوص سختی اور تنبیہ لیے ہوئے تھا۔
"اُفو امی پلیز... ہر وقت آغا جان سے نہ دھمکاتی رہا کریں ہمیں۔" ملاحہ ہمیشہ کی طرح چڑی۔ ایک آغا جان کیا کم تھے جو اوپر سے امی بھی...
"شکر کرو اتنی ڈھیر ساری پوتیوں میں سے ایک آدھ پھینک وینک نہیں دی انہوں نے۔ ایسا عظیم غم ہے انہیں پوتا نہ ہونے کا..." وہ لٹھ مار انداز میں کہتی ہوئی آ کر اپنی کرسی گھسیٹ کر بیٹھی تو تائی جان نے اپنی دوسری نمبر کی اس باغی اولاد کو ہلکا سا گھور کے دیکھا۔ پھر اسے گھرکا۔
"ہر وقت فضول باتیں مت کیا کرو مہو..."
"دادا ہیں تمہارے۔ محبت اور آسائشوں بھری زندگی دی ہے انہوں نے تمہیں۔" چچی جان کو بھی مہپاہ کا انداز پسند نہیں آیا تھا۔

"مان لیں امی..... کبھی کبھار بھی آغا جان کو "پوتا ڈپریشن" کا جو دورہ پڑتا ہے تو وہ شدید ہی ہوتا ہے۔" ملاحہ نے ڈھٹائی سے کہتے بسن کا ساتھ دیا تھا۔

"یہ ساری بکواس ان کے سامنے کرنا پھر پتا چلے گا کتنے بیس کا سو ہوتا ہے۔" تائی جان ان کی بے موقع بحث اور فضول گفتگو سے بھنا گئیں۔ ایک تو ویسے ہی انہیں اور چچی جان دونوں کو ہی بیٹا نہ ہونے کا غم تھا۔

"ہک ہاہ۔ اتنی وسیع و عریض جائیداد..... اور حق دار کون؟ یہ سینے پر دھری پانچ سلیں۔"

آغا جان تو برملا کہا کرتے اور پوتیوں کے جذبات کا خیال کیے بنا ان کے سامنے بہ آواز بلند کہتے۔

"بہت شکریہ..... اللہ کا کرم ہے۔ ہمیں خود ہی پتا ہے کہ سو میں کتنے بیس کے نوٹ ہوتے ہیں۔"

وہ ناشتا کر کے فارغ ہو گئی تھیں۔ مہاہ اور تزئین کو یونیورسٹی اور فرزین اور ملاحہ کو کالج جانا تھا۔

"آپی کب آرہی ہیں امی.....؟" ملاحہ کو خیال آیا۔ سب سے بڑی ملائکہ شادی شدہ تھی اور اپنے شوہر اور دو سالہ بیٹے کے ساتھ مسقط ہوتی تھی۔

"ابھی تو کوئی پکا ارادہ نہیں کیا اس نے۔ کچھ دن بعد بتائے گی۔" انہوں نے بتایا تو وہ سرہلا کے باقیوں کے پیچھے چل دی۔

فرزین اور ملاحہ کو کالج ڈراپ کرنے کے بعد ڈرائیور نے مہاہ اور تزئین کو یونیورسٹی اتارا۔

تزئین تو اندر داخل ہوتے ہی اپنی دوستوں کے گروپ کی طرف بڑھ گئی مگر مہاہ کی آنکھوں نے بے چینی سے ادھر ادھر کسی کو کھوجا۔ اور پھر ذرا آگے بڑھنے پر مخصوص کونے میں سفیدے کے درخت پاس وہ خوش رو دکھائی دے گیا تو وہ کھل کے مسکرا دی۔ اور تیزی سے اس کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼
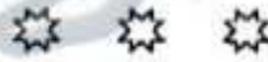
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا..... شغل میلے کی بات تھی اور تو اسے دل پہ ہی لے بیٹھا ہے۔" نصیر قاضی اس کی بات سن کر جس طرح بدکا کوئی اور موقع ہوتا تو وقار آفندی ہنستا مگر اس وقت تو وہ کسی اور ہی الجھن کے گھیرے میں تھا۔

"وہ شغل میلہ ہی ہے..... میں اور کیا کہہ رہا ہوں۔" اس نے قاضی سے نظر چرائی۔ اور نصیر قاضی بچہ نہیں..... گھاگ شکاری تھا۔ پرانا پاپی۔ اس معاملے میں چوک نہیں سکتا تھا۔

"شغل میلے والوں کی حالت مجنوؤں جیسی نہیں بن جایا کرتی وقار! اپنے بابا جان کو جانتا ہے نا۔ تمہاری ہی نہیں میری بھی کھال اتروا دیں گے۔" قاضی نے ہاتھ اٹھا دیے تھے۔
"تو میں کب تجھے بیچ میں ڈال رہا ہوں۔ تو بس مجھے زر گل بائی کا نمبر دے دے یا نیا ایڈریس۔ پرانے والے پہ تو وہ ملی ہی نہیں۔" وہ بے چینی سے بولا۔
"نکل گئی ہوں گی ماں بیٹی کسی کے ساتھ۔ طوائف اور بنجارے کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا میری جان۔"
قاضی نے لب و لہجے میں مقدور بھر لاپروائی سموئی۔
"قاضی پلیز یار..." وہ اس کے بچپن کا دوست تھا۔ آنکھوں سے سب رنگ پہچانتا تھا۔ لہجے میں ناراضی بھر کے بولا تو وہ بے بس ہونے لگا۔
"کیوں آگ میں ہاتھ ڈال رہا ہے... جہنم ہے یہ جہنم..."
"بس ایسے ہی یار۔ دل پشوری ہے اور کچھ نہیں۔" وقار نے اس کے وہم کو کم کرنا چاہا۔
"جھوٹ اس سے بولو جو تمہارے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے ناواقف ہو وقار۔" قاضی کے انداز میں ہلکی سی سرزنش تھی۔
"اور شادی طے ہونے والی ہے تیری۔ دل پشوری کا سامان تو آل ریڈی ہو جائے گا۔ پھر کیوں گند میں گرتا ہے یار میرے۔"
"اوفو... میں یہاں لیکچر لینے نہیں آیا تجھ سے۔ بتانا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ کاشف سے پوچھ لوں گا اور وہ بتا بھی دے گا۔" اب کی بار وہ ٹھیک ٹھاک ناراض ہوا اور آخر میں جتا بھی دیا۔
"یہ طوائفیں وقت گزاری کے لیے ہوتی ہیں وقار۔ اور ہم تو بس ایویں شغل میلے میں وہاں چلے گئے۔" قاضی اسے مقدور بھر سمجھانا چاہتا تھا۔
"اسے طوائف مت کہو۔ دھندا نہیں کرتی وہ۔ اس کے نصیب برے کہ ایک طوائف کے گھر پیدا ہو گئی۔ صرف گانا گاتی ہے وہ۔" وہ خفیف سا بگڑتے ہوئے بولا۔
"مفت میں نہیں سناتی گانا۔ اس کی آواز اور ادائیں ہر روپے والے کے لیے بکاؤ مال ہیں۔ لوگ اسے گندی نظروں سے دیکھنے کے پیسے ادا کرتے ہیں۔"
قاضی نے صاف صاف کہنے کی ٹھانی تو وہ بھڑک اٹھا۔
"تم حد سے بڑھ رہے ہو نصیر قاضی۔"
"حد تک تو تم آن پہنچے ہو وقار! مذاق میں شروع ہوئی بات کو زندگی کا مسئلہ بنا لیا تم نے... کتنی بار مل چکے ہو اس سے؟" قاضی کو اس کے لہجے سے زیادہ اس کی زندگی اور عزت کی فکر تھی۔
"تین ماہ سے مل رہا تھا اور ایک بار بھی کوئی اخلاق سے گری حرکت نہیں دیکھی میں نے اس کی۔" ڈھٹائی دکھاتے ہوئے وہ تفاخر سے بولا تو قاضی نے طنز کیا۔
"تو پھر اب... کہاں اڑ گئی چڑیا۔"
"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا... آخری ملاقات دو ہفتے پہلے ہوئی تھی۔ تب تک تو ٹھیک چل رہا تھا سب کچھ۔ اب وہاں گیا تو پتا چلا کہیں کوٹھی میں شفٹ ہو گئی زر گل بائی۔" اس کے لب و لہجے سے پریشانی جھلک رہی تھی۔
"تجھ سے بڑی آسامی ہاتھ لگ گئی ہو گی شہزادے۔"
اب کی بار قاضی کے لہجے میں اطمینان تھا۔ "خس کم جہاں پاک" مگر وہ یوں بھڑکے گا قاضی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"بکواس مت کرو اور خبردار جو ایک بھی فضول لفظ کہا اس کے بارے میں..."
غصے سے اس کی رنگت لال پڑ گئی تھی اور ماتھے کی رگ پھڑکنے لگی۔ قاضی ایک دم چپ سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں پہلے ہی پریشان ہوں اس کے بارے میں اور روپے پیسے کا لالچ ہوتا اسے تو میرے پاس بھی کم جائیداد نہیں تھی۔ فوراً" ہی شادی کی آفر قبول کر لیتی' مگر وہ تومانی ہی نہیں اور اب ایک دم سے یوں غائب ہو جانا..."
وہ غصے بھری بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ قاضی کو جھٹکا لگا۔ شدید جھٹکا۔
"تو نے شادی کی آفر کی اسے...؟"
اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ وقار آفندی نے صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے اطمینان سے اسے دیکھا اور بے حد سکون سے پر لہجے میں بولا۔
"ہاں... اور آفر ہی نہیں کی بلکہ میں یہ شادی کروں گا۔" نصیر قاضی اپنے بال نوچ کے رہ گیا۔
غلطی... بلکہ زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی جو اس "خردماغ" کو زرگل بائی کے کوٹھے پہ لے گیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وقار آفندی نوٹوں کے ساتھ دل بھی زرگل بائی کی حسین اور طرح دار بیٹی زرنگار پر لٹا آئے گا۔

☼ ☼ ☼
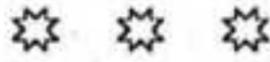
"ٹائم دیکھ رہی ہو... میں تو بس کیمسٹری کی سلینہ ممتاز کے ساتھ نکلنے والا تھا۔"
اس نے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی مہاہ کی آنکھوں کے آگے لہرا کر جتایا تو وہ بھی تنکی۔
"نکل ہی گئے ہوتے... تاکہ میں بھی فزکس کے جنید ہمدانی کے پروپوزل کو قبول کرتے ہوئے شرمندگی محسوس نہ کرتی۔" ضبط کرتے ہوئے بھی طلال کو ہنسی آگئی تھی۔
"مجال ہے جو جواب دیے بغیر تم لڑکیوں کی زبان رہ جائے۔"
"تو تم لڑکے ایسے سوال کرتے ہی کیوں ہو؟" مہاہ نے فائل اوپر کرتے ہوئے دھوپ سے بچنے کی سعی کی اور طلال نوید کو گھور کے دیکھا۔ تو وہ صفائی پیش کرنے لگا۔
"روز دیر سے آتی ہو۔ اب کیا سوکھا رعب بھی نہیں ڈال سکتا بندہ۔"
"ہاں... ویسے رعب "سوکھا سڑا" ہی تھا بلکہ "سڑا بسا" زیادہ مناسب رہے گا یہاں۔"
اس نے طنز سے کہتے ہوئے سلینہ ممتاز کے دبلے پتلے وجود اور گہری سانولی رنگت کا حوالہ دیا تو وہ تنبیہی اونہوں کر کے رہ گیا البتہ ہونٹوں کے کناروں سے مسکراہٹ پھوٹی پڑتی تھی۔ وہ دونوں درختوں کی چھاؤں میں یونیورسٹی گراؤنڈ کے فٹ پاتھ پہ چلنے لگے۔
"اتنی لیٹ تو نہیں ہوئی کہ تم سلینہ سے شادی کر کے خودکشی کرنے کا سوچنے لگو۔ پانچ دس منٹ ہی تو اوپر ہوتے ہیں۔" مہاہ کا اس سے بات کرنے کا اپنا ہی انداز تھا۔ حق جتاتا۔ پیار بھرا اور بے پناہ مان کہ وہ اس کا ہر جملہ برداشت کرے گا ہر رعب جھیلے گا۔
"یوں روزانہ پانچ پانچ منٹ کر کے ہی تو جان نکالتی ہو۔ یہی لگتا ہے نہیں آؤ گی..."
وہ بے بسی سے بولا تو مہاہ کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔
"تو کیا ہوا اگر ایک دن نہ بھی آئی تو... کیا ہوگا؟" لاپروائی کا لبادہ اوڑھ کر بے نیاز بنتے ہوئے پوچھا تو وہ عین اس کے سامنے آگیا۔ مہاہ رکی۔ وہ سنجیدہ تھا۔
"تو سانس نہیں آئے گی یار..." مہاہ کے دل کو کچھ ہوا تو اس کی نگاہ میں الجھی نظروں کو تیزی سے پھیرتی وہ اس

کا مذاق اڑانے لگی۔

"ہاہ... لگتا ہے "دل والے" دیکھ ہی لی تم نے بھی۔"

"یعنی... تم سمجھ رہی ہو کہ میں ڈائیلاگ جھاڑ رہا ہوں؟" طلال کو صدمہ ہوا۔ تو مہاہ کو ضبط کے باوجود بھی ہنسی آ گئی۔

"نہ کیا کرو طلال... قسم سے ایسے مر جانے اور سانس نہ آنے والے جملے مجھے فلمی ڈائیلاگ ہی لگتے ہیں اور ہاں "چیپ" میں نے دل میں کہہ لیا ہے۔ اونچی آواز میں کہتی تو تم مائنڈ کر جاتے۔" بڑی معصومیت سے اپنا احسان جتایا تو وہ دانت پیس کر پاؤں پٹخ کر پلٹ گیا۔ مہاہ کی ہنسی اور قدموں کی چاپ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

☆ ☆ ☆

مبین آفندی جوان بیٹیوں کے باپ... عمر کے اس دور میں تھے کہ ہر فیصلہ ہر بات بلا جھجک اگلے بندے تک پہنچا دیتے، مگر آغا ذوالفقار آفندی کے اسٹڈی روم میں داخل ہوئے تو ان کے دل میں خفیف سے خوف کی لہر بھی تھی۔

اور ان کی بیوی... صاعقہ... اگر اسے پتا چلتا کہ مبین آفندی کون سے گڑے مردے اکھاڑنے باپ کے پاس جا رہے ہیں تو وہ زنجیر بن کے شوہر کے قدموں میں پڑ جاتیں۔ سلام دعا ہو گئی۔ ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں...

پھر آغا جان اپنی کتاب میں مگن ہو گئے۔ ہمیشہ کی طرح اصولاً "اب مبین آفندی کو اٹھ کے چلے جانا چاہیے تھا۔ پانچ منٹ گزرے، آٹھ، دس... پندرھویں منٹ اور ننانوے صفحے پر پہنچ کر انہوں نے کتاب پر سے نظر ہٹائی اور چشمے کے اوپر سے گھور کے اپنے لخت جگر کو دیکھا۔

وہ گڑبڑائے۔ "جی... جی آغا جان...؟"

"کیا میں نے کچھ کہا...؟" انہوں نے کمال تحمل سے پوچھا۔

"نہیں، لیکن میں نے سمجھا شاید..."

آغا جان نے کتاب کے صفحے کا کونا موڑ کر بند کی اور ایک طرف رکھتے ہوئے سیدھے سبھاؤ بولے۔ "اب تم وہ بولو جو کہنے آئے ہو۔ بہت گفتگو ہو گئی بزبان خاموشی۔" ان کا لب و لہجہ پر رعب تھا۔

وہ ہچکچائے۔ "میں ڈر رہا تھا آغا جان۔ شاید آپ میری بات پسند نہ کریں۔"

"تم کہو مبین آفندی۔ مجھ میں ابھی بھی حوصلہ ہے ہر بات سننے اور برداشت کرنے کا..."

وہ اپنے مخصوص پر تنفر انداز میں بولے ذرا سا رکے اور پھر گویا اپنی برداشت کی مثال دیتے ہوئے دوبارہ اضافہ کیا۔

"اپنے دو بیٹوں کو کھونے کے بعد بھی... آغا ذوالفقار آفندی وہیں کھڑا ہے۔ نہ گرا ہے اور نہ جھکا ہے۔"

مبین آفندی کئی ثانیوں تک ان کے دھیمے، مگر مضبوط اور گھن گرج والے لہجے کے زیر اثر رہے۔ پھر بے اختیار بولے۔

"اللہ آپ پہ کبھی وہ وقت نہ لائے آغا جان۔"

مگر اللہ لایا کرتا ہے۔

وہ ہمارے بیچ ہی دنوں کو پھیر پھیر کے لاتا ہے۔ زبردست کو ایک نہ ایک دن زیردست ہونا پڑتا ہے، مگر وہ نہیں جانتے جن کے دلوں پہ مہریں لگ چکی ہوں۔

"سیدھی اور صاف بات کرو مبین! ہمیں یہ گھماؤ پھیر پسند نہیں۔" انہوں نے سپاٹ انداز میں کہا تو اپنی پوری

زندگی کی ہمت مجتمع کرتے ہوئے مبین آفندی نے کہہ ہی دیا۔

"اور اگر آپ کا ایک بیٹا... آپ کے پاس لوٹنا چاہے تو؟"

لمحہ بھر کو مبین آفندی کو لگا جیسے آغا جان کا وجود کپکپایا ہو ان کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی چمکی۔

"فاران...؟" چودہ سال بعد یہ نام ان کے ہونٹوں سے نکلا تو دونوں ہی کے کانوں کو عجیب سا لگا۔

"جی آغا جان...!" مبین آفندی نے ان کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی سعی کی، مگر اول لمحے کی بے اختیاری کے بعد سے وہاں پھر سے وہی ہمیشہ والا پتھریلا پن نمایاں تھا۔

"اچھا! اکڑ ٹوٹ گئی اس کی...؟" بے حد تمسخر سے انہوں نے پوچھا۔ مبین چند ثانیوں تک خاموش جیسے کوئی بے حد پر اثر الفاظ ڈھونڈتے رہے۔ اور آخر کار فتح یاب بھی رہے۔

"اس کے پاس آپ کا پوتا ہے آغا جان! آپ کا وارث۔ آپ کی آئندہ نسل کا امین۔"

آغا جان سن سی کیفیت میں انہیں دیکھے گئے پھر بات سنے بنا اٹھ کر باہر نکل گئے۔ مبین آفندی بے بس بیٹھے رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼
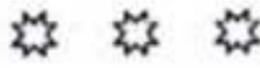
کیا ہی جنگل میں آگ اس تیزی سے پھیلتی ہو گی جتنی تیزی سے یہ خبر اس کے دوستوں میں پھیلی۔

نصیر قاضی تو تھا ہی... کاشف اور مبشر بھی اسے سمجھانے آئے اور اگلے کئی گھنٹوں تک سر کھپاتے ہی رہے۔ آخر میں اسی کی بات رہی۔

"میں مر جاؤں گا یار! میرے دل پہ میرا اختیار نہیں ہے۔" وہ چلا اٹھا۔ اسے پروا نہیں تھی ان میں سے کوئی اس کے متعلق کیا سوچتا ہے۔

وہ تینوں ہکا بکا تھے بلکہ نصیر قاضی نے تو سر ہی تھام لیا۔ اسے کیا خبر تھی کچھ گھنٹوں کی تفریح میں وہ اپنا یار کھو بیٹھے گا۔ اور اس کے بابا جان... ان کا جاہ و جلال...؟ اگر انہیں پتا چلا کہ نصیر قاضی ان کے بیٹے کو گھنگرو چھنکاتی ان راہوں پر لے گیا تھا تو وہ اس کی کھال میں بھس بھروانے سے بھی نہ ہچکچاتے۔

"اپنے دل پہ تھوڑا کنٹرول کرو وقار! بے اختیاری انسان کو بڑا ذلیل کرواتی ہے۔ اور دل کی مانو گے تو وہ ہر چمکتی چیز کو سونا ہی بتائے گا۔ یہ تو دماغ ہے جو صحیح غلط کا فیصلہ بھی صحیح کرتا ہے۔ سو اپنے دماغ سے کام لو۔" مبشر برا اس برا عملی بندہ تھا۔ بڑی جمع تفریق کر کے فیصلے کرنے والا۔ سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے اس کا پتا چلانا ہے اور ہر حال میں..." وہ باری باری تینوں کا چہرہ دیکھتے ہوئے قطعیت سے بولا۔

"یک طرفہ محبت کا شکار ہو تم وقار... ! اس کی کوئی دلچسپی ہوتی تو وہ دنیا کی بھیڑ میں گم نہ ہو جاتی۔" نصیر نے اسے ابھی بھی باز رکھنا چاہا۔

"اسے بھی تم لوگوں کی طرح میرے خاندان، میری عزت اور مرتبے کی فکر تھی... میں نے کہا بھی تھا میں سب سنبھال لوں گا۔" وہ اپنے بال نوچنے کو تھا۔

"وہ عقل مند ہے وقار! جانتی ہے، مستقبل میں کیسا طوفان آئے گا تمہارے فیصلے سے... یہ "سب اچھا" صرف اسی وقت تک ہے جب تک بابا جان کو پتا نہیں چل جاتا۔" کاشف نے دھیمے انداز میں کہا تھا۔

"تم مجھے صرف اس کا پتا کروا دو کاشف۔ میں ہر بات سنبھال لوں گا۔ وہ مرد ہی کیا جو طوفان کا مقابلہ نہ کر سکے۔" وہ اپنی بات میں اٹل تھا۔

"کاشف کچھ نہیں کرے گا..." نصیر قاضی نے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے قطعی انداز میں کہا تو وہ چونک کر اس کا

چہرہ دیکھنے لگا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی جو میں تجھے وہاں لے گیا، مگر بس۔۔۔ میں مزید کسی گناہ کا بوجھ اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس معاملے میں تیرا ساتھ نہیں دے گا۔"

اس کے تاثرات پتھریلے تھے۔ وقار آفندی کی کنپٹیاں تپیں۔

"گناہ نہیں ہے یہ۔۔۔ نیکی ہوگی میری زندگی کی سب سے بڑی۔ گانا گاتی ہے وہ۔ آواز بیچتی ہے، جسم نہیں۔ عزت کی زندگی دینا چاہتا ہوں میں اسے۔"

پر تپش لہجے میں کہا، مگر ان تینوں کو تو آغا ذوالفقار آفندی نام کی تلوار اپنے سر پہ لٹکتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ کیا خاک متاثر ہوتے۔

وقار آفندی ان سے ناراض ہو کر گیا۔ کاشف اچھی طرح زرگل بائی کے نئے ٹھکانے سے واقف تھا، مگر ان تینوں نے تہیہ کر رکھا تھا وقار کو اس دلدل میں گرنے سے بچانے کا۔ سو کسی کا بھی وقار کو زرنگار کے متعلق کوئی خبر دینے کا ارادہ نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"بھائی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں آغا جان۔۔۔ آپ ٹھنڈے ذہن سے سوچیں۔۔۔"

سہیل آفندی کم ہی آغا جان کے سامنے بولنے کی ہمت کرتے تھے، مگر مبین آفندی نے انہیں ہمت دلا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

"کیا سوچوں سہیل۔۔۔ وہ مجھے سوچنے کے قابل چھوڑ کے کب گیا تھا۔" ان کا لہجہ جلتا ہوا سا تھا۔

"بچوں سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں آغا جان! بڑے ہمیشہ انہیں معاف کرتے آئے ہیں۔" مبین آفندی نے سنجیدگی سے کہا۔

"غلطی اور گناہ میں فرق ہوتا ہے مبین۔" انہوں نے تنبیہی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔ پھر جتانے والے انداز میں اضافہ کیا۔ "والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ میں شامل ہوتی ہے۔"

"وہ معافی مانگ رہا ہے آغا جان۔"

"ہر غلطی کی تلافی "معافی" نہیں ہوتی۔"

"گستاخی معاف آغا جان۔۔۔ اب بیٹے سے تاوان بھروائیں گے؟" مبین آفندی نے دبے لفظوں انہیں احساس دلانا چاہا تو وہ گرج کر بولے۔

"تاوان۔۔۔؟ تاوان کی بات کرتے ہو تم لوگ؟ تاوان تو میں نے بھرا ہے۔ ایک زندگی کا تاوان۔۔۔ وہ کیا تاوان ادا کریں گے۔" ان کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی تھی۔ سہیل آفندی تو چپ ہو رہے، مگر مبین صاحب نے تھوڑی ہمت کی۔

"وہ شدید بیمار ہے آغا جان۔۔۔! اور شرمندہ بھی۔"

آغا جان خاموش رہے۔

"پھر آپ یہ بھی تو سوچیے، اس کے پاس اس گھر کا وارث ہے۔ آپ کی نسل کا نام لیوا۔ یہ بیٹیاں تو پرائے گھروں کو چلے جانے والی ہیں۔" مبین آفندی نے نرمی سے ان کے مزاج کو دوسری طرف لگانے کی کوشش کی۔

"اس سے پہلے کہ اس تمام جائیداد میں کوئی "اور" حصہ داری کا دعوا لے کر آ جائے۔" سہیل آفندی کو دور کی کوڑی سوجھی تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

''اور کون؟''

''آپ جانتے ہیں آغا جان میں کس کی بات کر رہا ہوں۔ ''وہ'' بھی تو آئی تھی اپنے بیٹے کو لے کر ''جانشینی'' کا دعویٰ کرتے ہوئے۔'' انہوں نے ذو معنی انداز میں کہا تو اب کی بار آغا جان نے پر سوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔

''ہوں۔ بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔''

''اور ویسے بھی آغا جان۔ فاران نے تو یوں سمجھیں کسی کا ساتھ دینے کی سزا پائی ہے اور بس۔ ورنہ اس گندے کھیل سے اس کا تعلق کوئی نہیں تھا۔''

مبین آفندی نے ان کی برین واشنگ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اور ویسے بھی ان طویل چودہ سالوں میں آغا خان کو خود بھی احساس ہو ہی گیا تھا۔ ایک کے قصور پر دوسرے بیٹے کو محض اس کی حمایت کرنے پر انہوں نے خود سے دور کر دیا تھا۔

''بہر حال۔ غلطی تو اس کی بھی بڑی تھی۔ مجھ سے مخالفت میں دلائل دیے اس نے۔ اگر اس نے تاوان میں چودہ سال بھرے ہیں تو میں نے اپنی شریک حیات کی زندگی۔''

وہ تلخی سے بولے۔ چند لمحے توقف کیا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے بولے۔

''وقت نکال کے رابطہ کریں گے اس سے۔ فی الحال تو میرا ذہن تیار نہیں ہے۔''

اور مبین آفندی کے لیے اتنا بھی کافی تھا وہ اور سہیل آفندی کھل کے مسکرا دیے۔

صلح کا نقارہ بج چکا۔ اب محض چند ریشمی پردے سرکنے باقی تھے۔ تمام نظارے بالکل صاف دکھائی دینے والے تھے۔

☼ ☼ ☼

تائی جان کو علم ہوا تو پہلے تو وہ سکتے میں آگئیں۔ پھر گویا حواس میں لوٹتے ہوئے شوہر سے الجھنے لگیں۔ ''دماغ تو ٹھیک ہے آپ کا مبین؟ خود اپنے پیروں پہ کلہاڑی مار رہے ہیں آپ۔''

انہوں نے ہلکا سا گھور کر اپنی شریک حیات کو دیکھا۔ ''اس میں دماغ کی خرابی والی بات کہاں سے نظر آگئی تمہیں؟''

''ارے۔'' بے اختیار تیز لہجے میں کہتے ہوئے جیسے انہوں نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھا۔ ''اتنی بڑی جائیداد۔ بزنس ہے۔ اور آپ زمین کھود کھود کر حصہ دار نکال رہے ہیں۔''

''دماغ تو تمہارا خراب ہے صاعقہ۔'' انہوں نے تلخی سے کہا۔ ''اب کیا بیٹیوں کو جہیز میں دو گی یہ جائیداد اور بزنس؟''

لمحہ بھر کو وہ لاجواب ہوئیں۔

''ہماری جگہیں داماد سنبھالیں گے کیا؟ اور ویسے بھی اسے جائیداد یا بزنس کا لالچ ہوتا تو چودہ سال لاتعلقی میں نہ گزارتا۔ خالی ہاتھ گیا تھا اس گھر سے۔ بیوی اور بیٹے کے ساتھ۔ اس کی خاموشی کی قدر کرو۔ عیاشی تو ہم نے کی ہے چودہ سال اس کے حصے پر بھی۔''

مبین آفندی جذباتی ہونے لگے۔ تو صاعقہ بیگم بھی قائل سی ہو گئیں۔

''یہ تو ہے ویسے۔''

''اس کا بیٹا جوان ہے اب۔ نیا خون ہے سہارا بنے گا باپ، دادا کا اور ویسے بھی ہم کون سا سب اس کے حوالے کر کے خود فارغ بیٹھنے والے ہیں۔ بس دل کو تقویت ہو جائے گی کہ کوئی ہے جو آگے بھی یہ تمام سلسلے چلا سکتا

ہے۔"

وہ بے حد رنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

اللہ کی مصلحت اللہ ہی جانتا تھا کہ دونوں بھائی 'بیٹے کے لیے ترستے تھے مگر دونوں ہی بیٹیوں کے باپ بنے۔ ان کی قسمت میں اولاد نرینہ لکھی ہی نہ تھی۔

"اور جو ماں باپ کا دل دکھا کر گئے ان کو کیسے رنگ لگائے اللہ تعالیٰ نے۔"

تائی جان نے آہ سی بھری تو انہوں نے تنبیہی نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔

"کفر مت بولو۔ والدین کا دل دکھانے والوں کو اللہ رنگ لگایا نہیں مگر "دکھایا" ضرور کرتا ہے۔ وہ بھی دنیا کے۔ چودہ سال تمہیں کیا معلوم کتنی ٹھوکریں کھائی ہوں اس نے۔"

"ہاں تو ماں باپ کا دل دکھانے کی سزا تو بھگتنی ہی ہو گی نا۔" وہ جھٹ سے بولیں۔

مبین آفندی نے دائیں بائیں سر ہلایا اور ہنس دیے۔ "تم عورتیں بھی نا۔ ابھی تو تمہیں ان کی رنگ برنگی زندگی نظر آرہی تھی۔ ساتھ ہی لڑھک کے سزا پہ آگئیں۔"

تائی جان جھینپ سی گئیں۔ "ہاں تو غلط کیا کہا۔ بیٹے بھی تو اللہ نے ان ہی کو دیے۔"

"چلو اب ایک بیٹا آرہا ہے نا۔ تم لوگوں کا شوق بھی پورا ہو جائے گا۔"

وہ مسکرا کر بولے تو تائی جان نے گہری سانس بھری۔ اب یہ تو اللہ ہی جانتا تھا کہ آنے والا وقت کس کے لیے کیا لانے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

بھٹے کھاتے۔ دونوں کیمپس کی لہر کے ساتھ ساتھ چلتے ایک دوسرے کی سنگت میں مطمئن اور خوش و خرم تھے۔

"آنٹی آئیں نہیں سیالکوٹ سے۔؟" مہرماہ نے پوچھا۔

"کل کا پروگرام طے ہوا ہے۔ اب دیکھو۔ بڑے عرصے کے بعد گئی ہیں ماموں کی طرف تو کچھ زیادہ ہی دل لگ گیا ان کا۔" طلال مسکراتے ہوئے بتارہا تھا۔

وہ دونوں نہر کنارے گھاس پر بیٹھ گئے۔

"پتا ہے میں نے امی سے بات کرلی تمہارے پروپوزل کی۔"

مہرماہ کے چہرے پر رنگین سی لہر دوڑی تھی۔ ہلکے سے شرمیلے پن کے ساتھ بتایا تو وہ خوش ہو گیا۔

"دیٹس گریٹ۔" پھر بے تابی سے پوچھنے لگا۔ "کیا کہا انہوں نے؟"

"بھئی۔ یہ تو اب تمام رشتوں پر غور کر کے ہی فائنل ہو گا۔ تم چکر لگا لینا اپنی ماما کے ساتھ۔" مہرماہ نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا تو وہ قہقہہ لگا بیٹھا۔

"کتنی خوش فہم ہوتی ہو تم لڑکیاں بھی نا۔ ایسے کون سے رشتے لائن لگا کے کھڑے ہیں۔"

"اوہو۔ مسٹر۔ کسی وہم میں مت رہنا۔" وہ چمک کر بولی۔ پھر تفاخرانہ بتایا۔ "میرا بھی ایک کزن آرہا ہے۔"

"چیچوں کی ملیاں سے؟" طلال نے بھولپن سے طنز کیا تو وہ اسے گھور کر جلانے والے انداز میں بولی۔

"جی نہیں۔ شارجہ سے۔"

"ابھی پیدا ہوا ہے کیا؟"

"ہاں۔ اٹھائیس سال کا ہے۔" مہرماہ ڈھٹائی سے ہنسی۔

"اچھا۔" طلال نے سر کھجاتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔
"عمر تھوڑی سی زیادہ نہیں بتادی تم نے؟"
"دراصل ریڈی میڈ ہے۔" وہ اب بھی سنجیدہ نہیں تھی۔
"شٹ اپ۔" طلال ہنستے ہوئے بولا۔
"واقعی۔ ہمارے لیے تو ریڈی میڈ ہی ہوگا۔ چودہ سال ہوئے اسے یہاں سے گئے۔ اب ایک دم سے دیکھیں گے تو اٹھا ئیس والا ہوگا۔" وہ اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے بولی۔
"مگر سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ اچانک سے اتنا بڑا کزن آ کہاں سے گیا؟" طلال نے کھایا ہوا بھٹہ شاپر میں ڈال کر ایک طرف رکھتے ہوئے عالمانہ سوال کیا۔
"بتایا تو ہے ریڈی میڈ ہے اور شارجہ سے امپورٹ ہو کے آرہا ہے۔"
"پہلے تو تم نے ذکر نہیں کیا۔"
"وہ پہلے بتانے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی رابطہ ہی نہ تھا اور نہ ہی دوبارہ سے صلح صفائی کا ارادہ۔ یہ تو ابھی چچا جان نے خود رابطہ کیا۔ آغا جان سے معافی مانگی اور واپسی کی اجازت بھی۔"
مہرماہ نے مختصرا" بتایا۔ پھر اسے دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی۔ "لہٰذا تم جلدی سے اپنا پروپوزل بھیج دو۔ کیونکہ مابدولت اب ایک ہینڈسم اور ڈیشنگ قسم کے کزن کی کزن بن چکی ہیں۔"
"ہاں ہاہا۔"
طلال کا قہقہہ کئی گردنوں کو ان کی طرف موڑ گیا۔ مہرماہ نے خجل ہو کر کھایا ہوا بھٹہ اسے دے مارا۔ جو اس نے دونوں ہاتھوں سے کامیابی سے کیچ کرلیا۔
"یہ دو خصوصیات تم نے اپنے پاس سے ہی لگالیں؟" وہ مذاق اڑا رہا تھا۔
"میرے چچا بھی بہت ڈیشنگ اسمشنگ ہیں۔ ان کی جوانی کی تصویریں دیکھ رکھی ہیں میں نے۔ بیٹا بھی ویسا ہی ہوگا نا۔" مہرماہ اترا کر بولی۔ پھر اضافہ بھی کیا۔ وہ بھی من چاہا۔
"بھئی۔ خوب صورتی تو ہمیں وراثت میں ملی ہے۔"
سورج کی کرنیں پانی کی لہروں سے منعکس ہو کر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ یوں معصوم سے تفاخر کے ساتھ مسکراتی وہ واقعی کوئی "شے" لگ رہی تھی۔
طلال کا جی چاہا اسے اٹھا کے دل میں رکھ لے۔
"او۔ ہیلو۔" مہرماہ نے اس کی نظروں کے سامنے چٹکی بجائی۔
"کدھر کھو گئے ہو۔؟"
اس کی نظروں کی بے خودی کو محسوس کرتے ہوئے وہ مسکراہٹ دبا کر پوچھ رہی تھی۔
طلال نے گہری سانس بھرتے ہوئے سفیدے کے بلند درختوں پر نگاہ ڈالی اور سادگی سے بولا۔
"ایسے ہی۔ سوچ رہا تھا۔ اتنے سفید جھوٹ بولتے ہوئے لڑکیوں کا دل نہیں گھبراتا؟"
وہ جو کچھ "اور" سننے کے لیے سراپا اشتیاق بنی ہوئی تھی۔ فائل اٹھا کر اسے مارنے لگی۔ تو وہ پھرتی سے اٹھ کے بھاگا تھا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنا بیگ شانے پہ ڈالتی کپڑے جھاڑنے لگی۔

☆ ☆ ☆

گلے شکوے 'معافی تلافی۔ سب ہو چکا۔

"آپ کے لیے ایک بہت بڑا سرپرائز ہے میرے پاس آغا جان۔" فاران آفندی کی آواز خوشی و جوش سے کپکپا رہی تھی۔

"آؤ گے تو سب سرپرائز دیکھ لیں گے ہم۔"

آغا جان اسکائپ پر دکھائی دیتے فاران آفندی پر پیاسی نظریں جمائے ہوئے بظاہر بڑے رعب داب سے بولے۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ چودہ سال بعد لخت جگر کو دیکھا تو تمام گلے شکوے دم توڑ گئے تھے۔

"میرا پوتا کہاں ہے۔ اسے بھی بتا رکھا ہے ہمارے بارے میں یا نہیں؟"

"جی آغا جان۔ سب پتا ہے اسے۔ ابھی جاب پہ گیا ہوا ہے۔ آئے گا تو بات کرواؤں گا آپ سے۔"

"اب چھوڑو جاب واب۔ ہمارے تو پرکھوں میں کسی نے نوکری نہیں کی کسی کی۔" وہ ناپسندیدگی سے بولے تو فاران آفندی مسکرا دیے۔

"جو آپ کا حکم آغا جان! ویسے بھی اب تو سب وائنڈ اپ کرنا ہے یہاں سے۔ آپ حکم کریں کب حاضر ہو جاؤں؟" وہ جذباتی ہوئے تو آغا جان کا پتھر دل بھی پگھلنے لگا۔ مگر باپ تھے۔ ماں نہیں جو دل کا بھید ظاہر کر دیتے۔

"اڑ کے تو نہیں آؤ گے ظاہر ہے۔ سب کام ختم کرو وہاں سے اور آ جاؤ۔ بہت کاٹ لی جلاوطنی۔"

"ٹھیک ہے آغا جان۔" وہ خوش تھے۔ بے حد خوش۔ گردش دوراں نے انہیں پہلے سے کمزور کر دیا تھا اور کچھ جگر کا عارضہ جان کا دشمن ہو رہا تھا۔

"اور ثمرہ کہاں ہے؟" آغا جان کے اچانک سوال پر وہ خاموش سے ہو گئے۔ پھر دھیمے لہجے میں بولے۔

"یہیں ہے آغا جان۔ کچن میں۔ موحد آنے والا ہے تو کھانا بنا رہی ہے شاید۔"

"اس کا دل نہیں چاہا راضی نامے کو فاران آفندی؟" آغا جان نے طنزیہ ہنکارا بھرا تھا۔ وہ جلدی سے بولے۔

"نہیں نہیں آغا جان! ایسی بات نہیں۔ بس ماں ہے نا۔ تو اسے اپنا دکھ بھلائے نہیں بھولتا۔"

"ہم نے اسے تو سزا نہیں دی تھی۔ اس نے تو تمہاری سزا بھگتی۔ تمہارے جرم کی سزا پائی۔"

"جی۔ آغا جان!" وہ چپ سے ہو گئے۔ مبین آفندی اور سہیل آفندی فی الوقت ایک طرف خاموش تماشائی بنے بیٹھے تھے۔

"عورتوں کی عادت ہوتی ہے آغا جان! دکھوں کو تمام عمر بچوں کی مانند سینے سے لگا کے رکھتی ہیں۔ ہم وہاں سے نکلے تو موحد کو نمونیا ہو گیا تھا۔" بے حد دکھی لہجے میں کہتے ہوئے وہ تھم سے گئے۔ تینوں نفوس دم سادھے متوجہ تھے۔

"پھر۔؟" آغا جان نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔ لاڈلے پوتے کی یاد اور اس کی معصوم شکل نے اچانک ہی سینے پر ہاتھ مارا تھا۔ ان کا لاڈلا، راج دلارا۔

انہیں یاد آیا۔ کتنا پیارا ہوا کرتا تھا وہ انہیں۔ اکلوتا پوتا۔

"پھر باوجود علاج کے نمونیا بگڑتا چلا گیا آغا جان۔" انہوں نے سائیڈ پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھا کے منہ سے لگا لیا۔ دونوں بھائیوں نے فاران آفندی کے لہجے کی نمی کو بخوبی محسوس کیا تھا اور دم بخود بیٹھے آغا جان نے تو دل سے۔ خالی ہاتھ گھر سے نکلنے والے آدمی نے کیسے اسپتالوں میں دھکے کھائے ہوں گے۔

"بہرحال۔ وہ ماں ہے۔ وہ وقت، وہ دکھ بھول نہیں پاتی۔ میں تو سمجھاتا رہتا ہوں اس کو۔ باقی سب باتیں آ کر ہوں گی آغا جان۔ میں تفصیل میں جانے کی ہمت نہیں پاتا خود میں۔ مگر آپ کو وعدہ کرنا ہو گا آغا جان کہ اب آپ ہمیں نہیں ٹھکرائیں گے۔ بہت جدائی سہہ لی ہم نے۔ اب ہم آپ کو کھونا نہیں چاہتے۔ ماں تو کھو دی میں نے اپنی۔" وہ بے پناہ جذباتی ہو کر رو ہی دیے تھے۔

"اکیلا آدمی چودہ برسوں سے دنیا کے نجانے کیسے حالات سے نبرد آزما رہا تھا کہ اب ہمت جواب دے گئی تھی اس کی۔
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ پھر بات ہوگی۔ فوراً واپسی کی تیاری پکڑو۔" آغا جان نے تیزی سے بات سمیٹی۔ تو وہ آزردگی سے مسکرا دیے۔ آغا جان کو ان کی مسکراہٹ اور تاثرات سے عجیب سا تاثر محسوس ہوا۔ مگر وہ لمحہ بھر کی بات تھی۔ وہ اب دونوں بھائیوں سے گفتگو میں مصروف تھے اور آغا جان ایک طرف بیٹھ کر ان کے چہرے پر نظریں جمائے اپنی برسوں کی پیاس بجھانے میں۔

☆ ☆ ☆

وہ تھکا ہوا تھا جب گھر پہنچا۔ ماما سے سلام دعا ہوئی۔ تازہ دم ہو کے کھانے کی میز پر پہنچا تو ماما اور بابا جان بالکل خاموش تھے۔
کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکا کر بابا جان سے حالات معلوم کرنے چاہے۔ تو انہوں نے ابرو سے ماما کی طرف اشارہ کر دیا۔
"کیا بات ہے۔ دونوں چھاؤنیوں میں خاموشی ہے آج تو۔"
وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔ تو سویٹ ڈش کا ڈونگا لے کر آتی ثمو کی آنکھوں میں پھر سے نمی اترنے لگی۔ انہوں نے ڈونگا میز کے وسط میں رکھا۔ کرسی پہ بے دم سی گریں اور میز پہ سر ٹکا کے رونے لگیں۔
فاران آفندی کے ہونٹ بھنچے۔ آنکھوں میں لالی سی اترنے لگی۔ موحد کا تو مانو دل ہی کچل ڈالا ہو کسی نے۔ پھرتی سے اٹھ کے ثمو کی طرف بڑھا۔
"ماما۔ کیا ہو گیا۔ کیوں رو رہی ہیں؟ میں تو یونہی بکواس کر رہا تھا۔ آئم سوری۔"
جھک کر انہیں بانہوں کے گھیرے میں لیے وہ پریشان سا تھا۔
"تمہارا قصور نہیں ہے بچے۔ یہ کسی اور ہی دکھ کو رو رہی ہے۔" فاران قدرے ناراضی سے اسے شرمندگی کے حصار سے نکالتے ہوئے ثمو کو دیکھ رہے تھے۔
"میں ساری عمر بھی اپنے دکھ کو روؤں تو اس کی تکلیف میرے دل سے نہیں جائے گی فاران صاحب۔" وہ بھیگا چہرہ اٹھا کر روتے ہوئے بولیں۔ تو موحد نے لب بھینچ لیے۔ پھر بے چینی سے پوچھا۔
"ہوا کیا ہے ماما۔ آپ بتائیں بابا جان۔؟" اس کا رخ سخن فاران کی جانب تھا۔ جو کڑی نظروں سے ثمو کو دیکھ رہے تھے۔
"کھانے کی میز پہ بے برکتی پھیلا رہی ہو۔ اچھی بات ہوگی جو سب رزق چھوڑ کے اٹھ جائیں گے۔"
"ماما روئی کیوں ہیں بابا جان ؟" موحد کے لہجے میں ضد کا عنصر واضح تھا۔ یہ کوئی عام سی بات تو نہ تھی کہ ثمو یوں بے بسی سے رو دیتیں۔ اور فاران آفندی بجائے بوکھلانے اور پریشان ہو کر انہیں چپ کروانے کے انہیں مزید ڈانٹتے۔ کچھ تو گڑبڑ تھی معاملے میں۔
"اُفوہ یار! تم بھی نا۔ کھانا کھالو پہلے پھر بات کرتے ہیں۔" وہ جھلا کر کہتے اب تنبیہی نظروں سے ثمو کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں بھی فوراً ہی احساس ہو گیا کہ انہوں نے غلط موقع پر غلط ردعمل دیا تھا۔ سو فوراً ہی دوپٹے سے منہ پونچھتے ہوئے خود کو نارمل کرنے لگیں۔
موحد کو علم تھا۔ اب فاران آفندی نے کہہ دیا کہ کھانے کے بعد بات ہوگی تو وہ جتنا بھی اصرار کر لیتا۔ اب بات کھانا کھانے کے بعد ہی کھلنی تھی۔

اس کے بعد لاکھ ثمرہ نے مسکرا مسکرا کر بصد اصرار ہر ڈش اس کے آگے کی مگر وہ بھوک اڑ جانے کے باعث تھوڑا ہی کھانا کھا پایا۔ حالانکہ ہر ڈش اس کی پسندیدہ تھی۔

کھانے کے بعد ثمرہ برتن اٹھانے لگیں تو ہمیشہ کی طرح تھکے ہونے کے اور ثمرہ کے منع کرنے کے باوجود موحد نے اس کام میں ان کی مدد کی۔ وہ جلد از جلد ثمرہ کی آزردگی اور پریشانی کا ماخذ جاننا چاہتا تھا۔

"میں اور تمہاری ماما اسٹڈی میں بیٹھتے ہیں۔ تم ذرا مزے دار سی کریم کافی تو بنا کے لاؤ۔"

بابا جان پرسکون تھے۔ ثمرہ کے برعکس وہ قطعاً" پریشان نظر نہیں آتے تھے۔ وہ بے بسی سے ثمرہ کو دیکھنے لگا۔ تو وہ نظریں چرا گئیں۔

"بھئی۔ تمہارے جیسی کافی تو تمہاری ماما بھی نہیں بنا سکتیں۔" وہ توصیفی انداز میں اس کا شانہ تھپتھپا کر محبت سے بولے اور اسٹڈی کی طرف بڑھے تو ثمرہ کو اس نے مرے قدموں سے ان کے پیچھے جاتے دیکھا۔

گہری سانس بھرتا وہ کچن میں چلا آیا۔ پھر پانی بوائل کرتے کافی پھینٹتے اور پھر کافی بنا کر اس میں کریم ڈالتے ہوئے اس نے ہر ممکنہ پریشانی کو سوچ ڈالا جو ثمرہ کی اس قدر دل آزاری اور رونے کا باعث بن سکتی ہو۔

پھر ایک دم سے اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

"گڈ گاڈ۔" اس کی پیشانی کو گرم لہر چھو کے گزری۔ "کہیں بابا جان کی بیماری سے متعلق تو کچھ بات نہیں؟" دل گہرائی میں کہیں ڈوب کے ابھرا۔

واقعی۔ یہی بات ہو گی۔ وگرنہ بابا جان اتنے سکون اور ماما اتنی "تھڑدلی" کا مظاہرہ نہ کرتیں۔

اس نے جلدی سے ٹرے اٹھائی اور تیز قدموں سے اسٹڈی روم کی طرف بڑھا۔ اس کا دل اوہام و خدشات سے بھرا ہوا تھا۔ مگر اسٹڈی کے باہر ہی اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ اندر سے پہلے بابا جان کا اونچا لہجہ سنائی دیا اور اس کے بعد ثمرہ کا۔

وہ دروازے پر دستک دے کر اندر آیا تو وہاں خاموشی چھا چکی تھی۔ اس نے ٹرے بابا جان کی رائٹنگ ٹیبل پر رکھی اور ان دونوں کو ایک ایک مگ تھما کر اپنا مگ ہاتھ میں لیے ماما کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک نظر میں ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ ثمرہ کی پلکیں نم تھیں یعنی وہ پھر سے رو رہی تھیں۔

"اب بتائیں۔ کیا بات ہوئی ہے۔ جس نے ماما کو اتنا آزردہ کر دیا ہے؟"

وہ براہ راست بابا جان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی کا گھونٹ بھر کے مسکرائے۔

"بہت خوب موحد۔ ہمیشہ کی طرح لاجواب کافی۔" وہ بے بس سا ثمرہ کو دیکھنے لگا۔ مگر وہ سلگتی نگاہوں سے فاران آفندی کی طرف متوجہ تھیں۔

"بات کو گھمائیں مت فاران۔! اتنا تو میرے جذبات کا خیال نہیں کیا حقیقت بتاتے وقت جتنا بیٹے کا کر رہے ہیں۔" وہ چیختے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"مسئلہ موحد کا نہیں تمہارا ہے ثمرہ۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"موحد کی تو پوری زندگی داؤ پہ لگ چکی اس مسئلے میں فاران۔" وہ ضبط کھو کے چلائیں اور پھر رونے لگیں۔ موحد نے بوکھلا کر اپنا مگ تپائی پہ رکھا اور ثمرہ کے ہاتھ سے بھی مگ لے کے رکھ دیا۔

"آخر مجھے بھی تو بتائیں ماما۔ بابا جان۔ بات کیا ہے۔ کیوں معمہ بن رہے ہیں آپ دونوں۔" وہ زچ آ گیا تھا۔

"تمہارے بابا جان ہمیں اسی عقوبت خانے میں واپس لے جانا چاہتے ہیں۔ جہاں انسانیت کے بجائے بے حسی بستی ہے۔" ثمرہ پھٹ پڑنے والے انداز میں بولیں۔

"ثمرہ۔" فاران صاحب کا انداز تنبیہی تھا۔

"مطلب۔؟" موحد الجھا۔ اس کا تو ذہن بھی اس طرف نہیں جا سکتا تھا جس طرف کا قصد فاران آفندی کیے بیٹھے تھے۔

"آغا جان سے بات ہوئی ہے میری۔ وہ مجھے پاکستان بلا رہے ہیں موحد۔ بلکہ ہم سب کو۔"

"انہوں نے گویا موحد کے سر پر بم پھوڑ دیا تھا۔ سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس نے بے حد بے یقینی سے فاران آفندی کا چہرہ دیکھا تھا۔

"تمام گلے شکوے دور ہو گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہے۔" وہ مطمئن سے بتا رہے تھے۔

مگر موحد کے ضبط کی حد اس سے زیادہ نہ تھی۔ طیش کے مارے مٹھیاں بھینچے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"انہوں نے ؟ انہوں نے معاف کر دیا ہمیں؟ معافی تو انہیں ہم سے مانگنی چاہیے تھی بابا جان۔" وہ غصے سے بولا تو فاران اونچی آواز میں اسے ٹوک گئے۔

"موحد!"

"بالکل صحیح کہہ رہا ہے موحد۔" ثمرہ کی آنکھوں میں آنسو تھے، بھرائے لہجے میں بولیں۔

"کیسی فضول باتیں کر رہے ہو تم لوگ۔ بزرگ معافی مانگتے اچھے لگتے ہیں کیا؟" وہ جھلائے۔

"ظلم کرتے بھی اچھے نہیں لگتے۔" ثمرہ چیخی تھیں۔ موحد کو بھی اپنی رگوں میں خون کے بجائے تیزاب دوڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"اگر یہ مذاق ہے تو اسے ختم کر دیں بابا جان۔ پلیز۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولا۔

ضبط کی طنابیں چھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں اسے۔

"مذاق نہیں ہے موحد! تم بھی اپنا ذہن کلیئر کر لو۔ ہم سب کچھ وائنڈ اپ کر کے پاکستان جا رہے ہیں۔" انہوں نے قطعی انداز میں کہا تو وہ بے اختیار غصے میں آ کر اونچی آواز میں بولنے لگا۔

"نو۔ نیور۔ کبھی نہیں بابا جان۔ میں ان ظالم لوگوں میں کبھی بھی واپس نہیں جانا چاہتا۔ آپ بھول گئے ہوں گے ان کے ظلم، مگر میرا دل ان کی نفرت سے بھرا ہوا ہے اور بس۔"

"معاف کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے موحد۔"

"تو یہ انہوں نے اس رات کیوں نہیں سوچا جب ہمیں اپنے گھر سے نکالا۔"

وہ چلایا۔ اس نے آج تک فاران آفندی کے سامنے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔ مگر آج تو جیسے خون ابل اٹھا تھا اس کا۔

"آپ تو کہتے ہیں کہ میں آپ کے وجود کا حصہ ہوں بابا جان۔ پھر آپ نے "ہماری" زندگیوں کا فیصلہ اکیلے کیسے کر لیا؟"

اس کا انداز زخمی اور لہجہ کرچی کرچی تھا۔ ماں کا دل بری طرح سے تڑپ اٹھا، وہ موحد سے لپٹ کر رونے لگیں۔

فاران آفندی خود کو خلا میں معلق محسوس کرنے لگے۔

کافی کے مگوں سے اٹھتا دھواں معدوم ہوتے ہوئے اب ختم ہو گیا تھا۔ اور ان تینوں کے پاس الفاظ بھی۔

☼ ☼ ☼
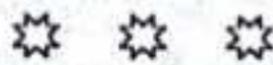
مہپارہ آج بے حد خوش تھی۔

آج اس نے یونیورسٹی سے چھٹی کی تھی۔ ایسے ہی خوامخواہ۔ نہ دکھائی دینے والی دھول صاف کرنے کے لیے۔

حالانکہ طلال کی ماما کا شام کو آنے کا پروگرام تھا۔

ملاحہ، فرزین اور تزئین واپس آئیں تب بھی وہ کبھی گلدان کے پھول ٹھیک کرتی تو کبھی کسی پینٹنگ کو جھاڑتی۔
"بس بھی کرو مہو۔ نہ تو وہ صوفے کے ہتھے پہ آکے بیٹھنے والی ہیں اور نہ ہی کسی واز یا پینٹنگ میں۔"
تزئین نے طنز کیا تو وہ بلاوجہ ہی ہنسی۔ آج تو کوئی بات بری نہیں لگ رہی تھی۔
"اور اگر آغا جان کو طلال پسند نہ آیا تو؟" تزئین کو مہ ماہ کی اتنی خوشی کم ہی برداشت ہوتی تھی۔ بے دردی سے بولی تو مہ ماہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔
"کیسی باتیں کرتی ہیں آپی۔ آپ نے کون سا طلال بھائی کو نہیں دیکھ رکھا۔"
فرزین نے جلدی سے۔ بمن کو ٹوکا تو وہ میگزین کھول کر صوفے میں دھنستے ہوئے شانے اچکا کر لاپروائی سے بولی۔
"میں تو آغا جان کی بات کر رہی ہوں۔ ان کی پسند و ناپسند کے اپنے ہی پیمانے ہیں۔ ضروری تو نہیں انجلینا جولی مجھے پسند ہے تو آغا جان کو بھی پسند آئے۔"
"تم فکر مت کرو۔ طلال کی فیملی کو انوائیٹ کر لینا ہی آغا جان کی آدھی پسندیدگی کی علامت ہے۔"
مہ ماہ نے سنجیدگی سے اسے جواب دیا تو وہ سر جھٹک کر میگزین کھنگالنے لگی۔
ہم عمر ہونے کی وجہ سے وہ اکثر و بیشتر مہ ماہ کے مدمقابل رہتی تھی۔
شام کو نا صرف طلال کی ماما، بڑا بھائی اور بھابھی آئے، بلکہ طلال بھی ساتھ ہی تھا۔
ہلکی پھلکی کڑھائی سے مزین شیفون کی زرد اور میرون قمیص اور ٹراؤزر میں ملبوس شیفون کے دوپٹے کو سلیقے سے سر پہ اوڑھے مہ ماہ آنکھوں میں محض کاجل کی لائنیں کھینچے، بہت اچھی لگ رہی تھی۔ گالوں سے چھلکتی سرخی آج بلش آن کو مات کر رہی تھی۔
"آپی۔ ماشاء اللہ۔ آپ کو تو آج کسی میک اپ کی ضرورت ہی نہیں۔" فرزین نے بے ساختہ ستائشی انداز میں کہا تو ملاحہ نے چٹا چٹ بمن کو چوم لیا۔
"اُف۔" وہ مزید لال پڑنے لگی۔ ہاتھوں سے رگڑ رگڑ کر چہرے پہ لکھی محبت کی تحریر گویا صاف کرنے کی کوشش کی۔ "ایک تو میں پہلے ہی نروس ہوں اوپر سے تم دونوں مجھے کنفیوز کر رہی ہو۔"
"اور تیسرے طلال صاحب بھی آکے بر دکھوے کے لیے بیٹھ گئے ہیں۔" تزئین نے بالوں کو کیچر میں جکڑتے ہوئے لقمہ دیا۔
"ہاں۔ اسے پتا نہیں کیا سوجھی۔ میں نے منع بھی کیا تھا آنے سے۔" مہ ماہ الجھی۔ فرزین ہنسنے لگی۔
"تو آغا جان سے کیسے ملاقات ہوتی پھر؟"
"ہاں۔ یہ بھی ہے۔" وہ واقعی الجھی ہوئی تھی۔ تزئین نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا۔ اور جتانے والے انداز میں بولی۔
"یونیورسٹی فیلوز ہو تم لوگ۔ سارا دن گپیں لگانے میں گزرتا ہے۔ پسند کر کے گھر بلایا ہے اسے۔ اب یہ شرما شرمی کا ڈراما کیسا؟" مہ ماہ کے کمرے میں ایک دم سے خاموشی پھیلی۔ تیز ہوا سناٹے سے مہ ماہ کو چھو کے گزری تھی۔
"آپی۔ آپ بات کو ہمیشہ سیریسلی لے لیتی ہیں۔ مذاق کر رہے ہیں ہم۔" فرزین نے گھبرا کر بات لپیٹنے کی کوشش کی مگر وہ یونہی لبوں پہ استہزائیہ سی مسکراہٹ لیے نکل گئی۔
"میں ذرا ڈرائنگ روم کی صورت حال کا جائزہ لے لوں۔" فرزین بے چاری خوامخواہ چور بن گئی تھی۔ بہانے سے کمرے سے نکلنے لگی تو ملاحہ بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑی۔
تزئین کی باتوں نے حقیقتاً مہ ماہ کو دھچکا لگایا تھا۔ ایسا کوئی اعتراض تو امی ابو یا آغا جان نے بھی نہیں اٹھایا تھا۔

ہاں، یہ ضرور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر طلال اور اس کا خاندان گھر میں کسی کو پسند نہ آئے تو مہراہ اعتراض یا احتجاج کا حق نہیں رکھتی تھی۔ مگر یہ تزئین۔ مہراہ کا دل سلگا۔

یہ ہمیشہ سے ایسی ہے۔ جل ککڑی۔

وہ چڑ کر سوچتی۔ آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

جب ڈرائنگ روم سے اس کا بلاوا آیا تو وہ بہت گھبراہٹ کا شکار تھی۔ سب کے بیچ۔ طلال کے سامنے۔

"آپ بے فکر رہیں۔ آغا جان انہیں اسٹڈی میں لے گئے ہیں۔" ملاحہ نے اس کی مشکل آسان کی تو اس نے اطمینان کی سانس لی اس نے اندر جا کے طلال کی فیملی کو سلام کیا۔

بڑی پروقار سی طلال کی ماما اور ماڈرن سی بھابی۔ مہراہ نے پہلی ہی نظر میں تزئین کو عین طلال کی ماما کے پہلو میں بیٹھے دیکھ لیا۔ اب چاہے تائی جان کی تنبیہی نظریں ہوں یا چچی جان کی۔ مہراہ کو چائے پیش کرنے کے بعد سامنے صوفے پر تائی جان کے پاس بیٹھنا پڑا۔ جبکہ تزئین مسکرا مسکرا کر ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھی طلال کی بھابی نتاشہ سے باتوں میں یوں مصروف دکھائی دی جیسے پتا نہیں کب کی دوستی ہو۔

طلال کی ماما کی باتوں سے مہراہ کے لیے ان کی پسندیدگی ظاہر تھی۔ جب کہ بلال بھائی کبھی کبھار مسکراتے ہوئے کچھ بات کر لیتے۔ مگر بھابی نتاشہ تو جیسے قسم کھا کے آئی تھی کہ مہراہ سے کوئی بات نہیں پوچھے گی۔ وہ تو گویا یہاں آئی ہی تزئین سے گفتگو کرنے تھی۔ مگر فی الوقت تو مہراہ کو طلال کی ماما کی اپنائیت بھری باتیں اچھی لگ رہی تھیں۔

جاتے ہوئے طلال کی ماما نے اس کے ہاتھ پہ ہزار ہزار کے اچھے خاصے نوٹ رکھ دیے۔

"میرا بیٹا دوبئی سے آنے والا ہے۔ جو بھی رسم ہوگی اس کے آنے کے بعد طے ہوگی۔ فی الوقت آپ زبان پہ اعتبار کریں۔"

آغا جان نے کہا تھا۔ انہیں طلال سے مل کر مایوسی نہیں ہوئی تھی۔ تایا جان اور چچا جان بھی مطمئن تھے۔

"واہ واہ۔ آپی بڑی امیر ہو گئی ہیں۔"

ان کے جانے کے بعد ملاحہ نے مہراہ کو چھیڑا۔

"میں تو اتنی دعائیں مانگ رہی تھی کہ آغا جان ہاں کہہ دیں بس۔" فرزین بھی خوش تھی۔

مہراہ نے بڑی خوشی اور ترنگ میں آ کر دونوں کو دو دو ہزار تھما دیے۔

"یاہو۔" ان دونوں نے نعرہ لگایا تو تپتے چہرے کے ساتھ وہ ہنس دی۔

☆ ☆ ☆

زرنگار کی رنگت آنے والے کو دیکھ کر فق پڑ گئی۔

وہ جیسے صدیوں کی مسافت طے کر کے آیا تھا۔ تھکے ماندے مسافروں جیسی چال کا بوجھل پن صاف ظاہر تھا۔ مگر زرنگار کو سامنے پا کر وہ ایک نئی زندگی جی اٹھا۔

"تم۔ تم یہاں کیوں آ گئے۔ کس نے بتایا تمہیں؟" وہ متوحش سی اسے پلٹ کر دروازے کی چٹخنی لگاتے دیکھ رہی تھی ایک دم زور سے چلانے لگی۔

"دروازہ کیوں بند کیا ہے تم نے۔ کنڈی کھولو۔ اماں۔ دلاور۔"

وقار نے آگے بڑھ کے اسے شانوں سے تھام کے جھٹکا دیا تو وہ تھم سی گئی۔

"یہی چاہتی ہو نا تم۔ شادی کا پروپوزل دیا تو تمہیں پسند نہیں آیا۔ کوٹھے پر رہو گی تو ایسے ہی کوئی آ کے چٹخنی

لگالے گا۔ تو پھر میں کیا برا ہوں؟"

وہ جلتے سلگتے تپتے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اور اس سے بھاگتے بھاگتے تھک جانے والی۔ اسے ہمیشہ کے لیے کھو دینے کے افسوس میں مبتلا زرنگار اسی کے سینے پر سر رکھ کے رو دی۔

وقار کا سارا غصہ بھک سے اڑ گیا۔ تو احساسات سبک رو ہونے لگے۔

"کس قدر بے وقوف ہو تم زری۔ میری سانسیں چھین کے اور اپنی سانسیں گنوا کے جینے کو زندگی کہتی ہو تم۔" اس کے ریشمی بالوں پہ نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

زرنگار پہ آیا سارا غصہ سارا طیش۔ بخارات بن کے اڑ گیا تھا۔

"میں تمہاری زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی وقار۔ میں تمہیں اس دنیا میں سر اٹھا کے جیتے دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

اس سے صرف چند انچ کے فاصلے پر وہ بے داغ چاند تھا۔ وقار بے اختیار مسکرایا۔ اور اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے بولا۔

"اور میں تمہیں برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہیں عزت کی زندگی دینا چاہتا ہوں۔"

وہ اس سے دور ہو کر پلنگ کے کنارے جا بیٹھی۔ "یہ راہ کانٹوں سے بھری ہے وقار۔ گلاب تو بس اوپر ہی اوپر دکھائی دیتے ہیں۔"

"میں ان چند گلابوں کے لیے اپنی تمام زندگی داؤ پہ لگانے کے لیے تیار ہوں زری۔ کیونکہ ان گلابوں کی اہمیت میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

وہ جذباتیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ زرنگار نم آنکھوں سے مسکرادی۔ پھیکی سی مسکراہٹ بھی اس کے حسن کو گہنانے میں ناکام رہی تھی۔

"میرے ساتھ تم کبھی سر اٹھا کے نہیں چل سکو گے وقار۔ تمہاری فیملی تمہارا خاندان... کس نام سے متعارف کرواؤ گے مجھے۔"

"مسز وقار آفندی کے نام سے۔" وہ برجستہ بولا۔ اتنے ہفتوں کی خجل خواری کے بعد زرنگار کو پالینے کا سرور ایسا تھا کہ اس کا سارا چونچال پن لوٹ آیا تھا۔

"یہ صرف کہنے میں ہی آسان ہے وقار۔ جذباتیت سے باہر نکل کے سوچو۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"تم سے محبت کرتی ہوں۔ کل کلاں یہ محبت میرے سامنے شرمندہ ہو یا مر جائے... میں یہ نہیں دیکھ سکتی۔ تو کیوں نہ اچھے دوستوں کی طرح بچھڑ جائیں ہم۔"

وہ مضبوط قدموں سے چلتا اس کے سامنے آیا۔

"کیا میں تمہیں اپنے قول سے پھرنے والا لگتا ہوں؟" وہ ناراضی سے گویا ہوا۔

"میں تمہیں کسی آزمائش میں نہیں دیکھ سکتی وقار! مجھ سے شادی کے بعد تمہارے لیے زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ پلیز... میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"شش..." وقار نے اس کے لبوں پہ اپنی انگلی رکھ دی۔

"بہت ہو گیا سمجھنا سمجھانا... اب بس۔" وہ اس کی تحیر سے کھلی آنکھوں میں ذرا سا جھک کے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"میں اور تم شادی کر رہے ہیں اور بس..." زرنگار نے اس کا ہاتھ اپنے لبوں پر سے ہٹاتے ہوئے متوحش انداز میں پوچھا۔

"اور تمہارے گھر والے....؟"

"تم میرے ساتھ دلہن بن کے جاؤگی تو کون ہوگا جو وقار آفندی اور اس کی بیوی کو عزت نہ دے۔ جسے میں قبول کر چکا اسے ان کو بھی قبول کرنا پڑے گا۔"

وہ دھیمے، مگر مضبوط لہجے میں کہتا اس کے سارے اعتراضات بہالے گیا تھا۔ زرنگار کو لگا تمام عمر کوئلوں پہ ننگے پاؤں چلتے ہوئے کٹنے والی زندگی یک لخت پھولوں بھری رہ گزر پہ نکل آئی تھی۔

وہ کھل کے مسکرادی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز وہ تزئین کے ساتھ یونیورسٹی پہنچی تو ہر ڈیری ملک چاکلیٹ بار ہاتھ میں پکڑے اسٹوڈنٹ نے اسے منگنی کی مبارک باد دی۔

تزئین حیران تو مہماہ پریشان۔

"واہ یار چپکے چپکے.... کسی کو بلایا بھی نہیں۔" کئی ایک دوستوں نے گلے کیے۔ چاکلیٹ کھاتے ہوئے منہ بنایا۔

"یہ افواہ اڑائی کس نے؟" مہماہ کے منہ سے نکل گیا تو سب نے حیرت سے چیخیں ماریں۔

"افواہ.... ادھر طلال نے چاکلیٹس کے ڈبوں پہ ڈبے اس منگنی کی خوشی میں پوری یونی میں بانٹ دیے اور تم ابھی بھی اسے افواہ کہہ رہی ہو۔" اس کی دوست نے اسے ستائش بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بتایا تو اس کو ہنسی آگئی۔

"بے وقوف ہے وہ تو...." اس کے لہجے سے پیار چھلکتا تھا۔

"ہوں.... چیپ۔" تزئین سر جھٹکتی اپنی کلاس کی طرف بڑھ گئی، مگر اب مہماہ کو اس کی رتی بھر بھی پروا نہیں تھی۔ وہ محتاط نظروں سے ادھر ادھر طلال کو ڈھونڈتی رہی۔ اب تو کسی سے اس کا پتا بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ ہر کوئی چاکلیٹ کھاتا اسے منگنی کی مبارک باد دے رہا تھا۔ وہ تھک کر اپنے مخصوص سفیدے کے درخت کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی کلاس شروع ہونے میں تھوڑا وقت تھا۔ وہ درخت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے صبح کی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کر رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اپنی روح کے ہلکے پن کو بھی۔ تب ہی بھاگتے قدموں کی آواز نے اسے چونک کر آنکھیں کھولنے پہ مجبور کردیا۔

"یہ لو...." وہ چاکلیٹ بار اس کی جانب بڑھا رہا تھا۔ مہماہ کے ہونٹوں پر خوب صورت سی مسکراہٹ پھیلی۔

"یہ کیا ہے....؟" جان بوجھ کر تنک کر پوچھا۔ وہ اب چاکلیٹ کا ریپر اتار رہا تھا۔

"میری منگنی ہوگئی۔" اطمینان سے بتایا۔ مہماہ کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔ مگر فی الحال تو اسے جھاڑنا ضروری تھا۔

"کس قدر فضول آدمی ہو تم۔ پوری یونیورسٹی میں دھوم مچادی منگنی کی۔ ابھی میں سب کو بتادیتی کہ کوئی منگنی ونگنی نہیں ہوئی تو سب چاکلیٹس اگل دیتے۔"

"جناب آغا جان نے دل و جان سے پسند کیا ہے مجھے۔ اور تمہارے ابو اور چچا جان تو میرے متاثرین میں شامل ہوگئے ہیں باقاعدہ۔" وہ لمبی لمبی چھوڑ رہا تھا، مگر نگاہ اس کے دل فریب چہرے اور خوب صورت مسکراہٹ پر تھی۔ کل تک جو اندیشے تھے آج اڑ چھو ہو چکے تھے۔

وہ بے ساختہ ہنسی۔ "اف.... یہ تمہاری خوش فہمیاں...."

"میں تو انگوٹھی جیب میں ڈال کے لے گیا تھا۔ تمہارے آغا جان نے ٹانگ اڑادی درمیان میں۔" آدھی

چاکلیٹ اپنے منہ میں ڈال کر وہ منہ بنا کر بولا۔ اور باقی چاکلیٹ اسے تھما دی۔

"چچا جان آرہے ہیں دوبئی سے۔ وہ بھی شریک ہوں گے فنکشن میں اور ابھی میری بڑی سسٹر نے آنا ہے مسقط سے....." مہماہ نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتائی۔

طلال نے جیب میں ہاتھ ڈال کے ڈبیہ نکالی۔ مہماہ حیران ہوئی۔ وہ تو ایسے ہی سمجھ رہی تھی، مگر وہ واقعی ڈبیہ کھول کے انگوٹھی نکال رہا تھا۔

"یہ کیا ہے.....؟"

"یہ میں اسی نیت سے لے گیا تھا اگر اجازت ملی تو پہنا دوں گا، مگر بزرگوں کے اپنے ہی بڑے ضروری مسئلے مسائل تھے سواب یہ....."

شکایتی انداز میں کہتے کہتے اس نے مہماہ کا ہاتھ تھام کر وہ نازک سی انگوٹھی اس کی انگلی میں ڈال بھی دی۔

"طلال....." اس کی رنگت میں گلال گھلنے لگا۔ "تھوڑا ہی تو وقت ہے۔ سب کے سامنے پہنانا....."

"وہ بھی پہناؤں گا۔ یہ تو تمہاری نیت سے لی تھی۔ پہنا دی۔" وہ بہت چاہت سے بولا تھا۔ مہماہ کا دل بہت ترنگ میں دھڑکا۔

"کلاس شروع ہونے والی ہے۔" وہ بہانے سے وہاں سے ہٹی۔ طلال کی محبت پاش نگاہوں کا سامنا کرنا کوئی آسان کام تھا کیا، مگر وہ وہیں ہری گھاس پہ لیٹ گیا اور گردن تلے ہاتھ باندھ لیے۔ مہماہ کے قدم ٹھٹکے۔

"کیا ہوا..... تم نہیں چل رہے؟"

"اتنی خوب صورت شکل دیکھنے کے بعد اب سر تحسین ظفر کو کون دیکھے۔"

وہ شرارت سے کہتے ہوئے آنکھیں موند گیا تو وہ اس کے جواب پر ہنستی ہوئی واپس پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼
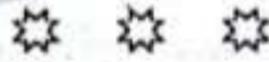
"میں نے اس ماہ کے آخر کی سیٹیں بک کروالی ہیں پاکستان کے لیے ہم تینوں کی۔"

کھانے سے فارغ ہوتے ہی فاران آفندی نے بیوی اور بیٹے کو مطلع کیا تھا۔ بڑے دنوں بعد یہ موضوع پھر چھڑا تھا۔ صاف اور سنجیدہ لب ولہجہ۔ جہاں کسی بحث ومباحثے کی گنجائش نہ تھی، مگر خاموش رہنا موحد کی تو گویا موت تھی۔

"بابا جان! آپ زیادتی کررہے ہیں۔"

"معاف کرنے والے کا مقام ظالم سے بلند ہوتا ہے موحد۔"

"تو وہ کیوں نہ بنے معاف کرنے والے.....؟" وہ چیخا۔

"ابھی بھی آپ نے ہی معافی مانگی....." ثمرہ پھٹ پڑیں۔

"معافی مانگنے سے میں چھوٹا نہیں ہوگیا ثمرہ۔ میرے والدین ہیں وہ۔ ہاں۔ میں مانتا ہوں کہ میری غلطی نہیں تھی، مگر پھر بھی ان کا مقام ایسا ہے کہ میں بنا قصور کے بھی ان سے معافی مانگ سکتا ہوں۔"

"اور میں..... میں اپنے موحد کی موت معاف کردوں انہیں؟ نمونیا میں مبتلا تھا میرا بچہ اور کیسے ظالموں کی طرح سرد تاریک رات میں ہمیں گھر سے دربدر کردیا آپ کے آغا جان نے۔" وہ رونے لگیں۔

"تمہارا بیٹا..... تمہارا موحد تمہارے پاس ہے ثمرہ۔ بھول جاؤ ان خوف ناک لمحات کو۔ گزر گیا وہ سب۔" انہوں نے سختی سے کہا تو موحد نے آگے بڑھ کے ماں کو گلے سے لگالیا۔

"ماؤں کے لیے اتنا آسان نہیں ہوا کرتا بچوں کی تکلیفیں بھلانا کیونکہ ان کے سینوں میں باپ کا دل نہیں

ہوتا۔" ثمرہ نے تلخی سے جواب دیا تھا۔

"مسافر کو ایک نہ ایک دن واپسی کا سفر ضرور طے کرنا پڑتا ہے ثمرہ! ہمارا ابھی لوٹنے کا وقت آگیا ہے۔ صبر سے کام لیا ہے تو اب اللہ کا شکر بھی ادا کرو کہ اس نے یہ دن بھی دکھایا۔" وہ ضبط سے بولے۔

"فاران پلیز۔ میرے دکھ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"اتنے سالوں سے تمہارے ہی دکھ کو تو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب تم میری خوشی کو سمجھو ثمرہ۔" ان کے لب ولہجے میں ایسا کچھ تھا کہ ثمرہ بس خاموشی سے آنسو بہانے لگیں مزید کچھ نہیں بولیں۔

"اور تم۔۔۔" وہ لب بھینچے ثمرہ کو اپنے ساتھ لگائے کھڑے موحد سے مخاطب ہوئے۔ "سب کچھ سمیٹو اس ایک ماہ میں۔ ہم لوگ پاکستان شفٹ ہو رہے ہیں۔۔۔ اور اسے میری ریکویسٹ سمجھنا۔"

موحد کے پاس اعتراض کا ایک لفظ نہ بچا تھا۔ وہ دانتوں پر دانت جمائے کھڑا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

گھر میں دل فریب سا شور وہنگامہ مچ گیا جب ملائکہ نے سب کو حیران کر دیا اور اپنے بیٹے یوشع کے ساتھ "آفندی ہاؤس" آپہنچی۔ لڑکیوں کی ہاؤ ہو، چیخ وپکار۔

"اف۔۔۔ یہ سرپرائز ہے۔ ہارٹ اٹیک ہو جاتا خوشی سے مجھے۔" مہماہ کی بہن سے بہت دوستی تھی اسے بھینچتے ہوئے بولی۔ تو وہ ہنسنے لگی۔ دو سالہ یوشع وہاں صرف ماں اور باپ کو دیکھنے کا عادی تھا۔ یہاں اتنے سارے ہاتھوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر روتا ہوا اماں سے لپٹ گیا۔ تائی جان نے فوراً "ان ماں بیٹے پر سے روپے وار کے کام والی کے ہاتھ کسی غریب کو بھجوائے۔

گھر میں خوشی کی لہر سی دوڑ گئی۔

"اور تم سناؤ۔ طلال کیسا ہے؟" فرصت سے بیٹھتے ہوئے ملائکہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ آنکھ دبا کر شرارت سے بولی۔

"بہت اچھا ہے۔"

"اوہو۔ اچھا ہے تب ہی تو آغا جان نے اپروول دیا ہے۔" وہ بھی ہنسی تھی۔

"وہ تو پکی منگنی کے چکر میں آیا تھا۔" مہماہ نے الٹا ہاتھ لہرا کے ملائکہ کو رنگ دکھائی اور اترا کر بولی۔

"مگر آغا جان نے بڑے چاچو کے آنے کی شرط رکھ دی۔" آخر میں منہ لٹکایا۔

"اللہ خیر کرے۔ سالوں بعد واپسی ہو رہی ہے۔ یہ کام نمٹا لیتے تو اچھا تھا۔ بھئی ہر کسی کا اپنا موڈ اپنا مزاج۔" تائی جان نے اندر داخل ہوتے آدھی بات سنی تھی تشویش سے بولیں۔

"ثمرہ تو یوں بھی تنک مزاج سی تھی۔ بیٹا پتا نہیں کیسا نکلا ہوگا۔"

انہوں نے سوئے ہوئے یوشع پر چادر ٹھیک کرتے ہوئے ناک چڑھائی۔

وہ بہت سخت مزاج کی خاتون تھیں۔ جن کے چہرے پر مسکراہٹ صرف اپنی اولاد کے لیے آتی تھی۔

"آغا جان نے ایسے ہی پروگرام آگے پہ ڈال دیا۔ انہوں نے بھلا آکر کون سی دھمالیں ڈال لینی ہیں۔"

"رشتہ تو ان سے ہے نا امی اور پھر اس ماہ کے آخر تک وہ آرہے ہیں تو ان کے آنے سے پہلے ہی فنکشن بھگتا لینا کچھ مناسب نہ لگتا۔" ملائکہ نے رسانیت سے کہا۔

"ارے چلو ہٹو۔۔۔" انہوں نے نخوت سے ہاتھ جھٹکا۔ "رشتہ ہوتا تو باپ سے نبھاتے۔۔۔ بھائی سے نبھایا اس نے۔ اور اسی ضد میں گھر چھوڑ گیا۔"

"آغا جان نے خود نکالا انہیں گھر سے امی۔" ملائکہ نے سنی ہوئی معلومات کے مطابق لقمہ دیا۔
"اب بھی تو معافی مانگی نا... تب ہی اپنی غلطی کا احساس کر کے معافی مانگ لیتا تو یوں بن باس نہ کاٹنا پڑتا۔" انہوں نے تیوری پہ بل ڈالے تھے۔
"لے کے بدشگونی ڈال دی ہمارے کام میں۔"
وہ بات ختم ہونے کے بعد بھی بڑبڑاتی رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆
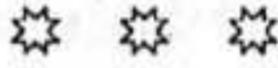
دن جیسے پر لگا کے اڑے اور آج شام کی فلائٹ سے فاران آفندی چودہ سالوں کا بن باس کاٹ کے واپس لوٹ رہے تھے۔
"شکر خدا کا... تمہارے چاچو جان تو ظالم سماج بن گئے ہمارے درمیان۔ مہینہ گزارنا مشکل تھا۔" طلال کے سکھ کا سانس لینے پر مہواہ خوب ہنسی۔ اور پھر ادھر شام آئی اور گزر بھی گئی۔
سب پریشانی سے کال پہ کال ملاتے رہے، مگر فاران کے دونوں نمبرز بند آرہے تھے۔ ساری فلائٹس چیک کرلیں، مگر مسافر ندارد۔ اسکائپ پر بھی وہ موجود نہ تھے۔
وہ رات شدید پریشانی کی رات تھی۔ ایرپورٹ انکوائری سے پتا چلا کہ فاران آفندی اینڈ فیملی کی سیٹیں کنفرمڈ تھیں، مگر وہ آئے نہیں تھے۔
"مبین... تم کم از کم ایڈریس تو لیتے وہاں کا اس سے..." آغا جان کا دل سخت بے چین تھا۔ کبھی اٹھتے کبھی بیٹھتے۔ چڑ کر مبین آفندی سے بولے۔
"مجھے خیال ہی نہیں آیا آغا جان۔ یہی سوچا کہ اب تو واپس آرہا ہے ایڈریس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔" انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے دبے لفظوں میں وضاحت بھی کردی۔
پریشانی سی پریشانی تھی۔
اور پھر ایک اداس سی سہ پہر جب آسمان کا رنگ عجیب سا ہو رہا تھا اور دلوں میں بھی اوہام پہرہ ڈالے بیٹھے تھے۔ فاران آفندی کا ایک نمبر کھلا ملا تو مبین، نمبر ملاتے آغا جان کے کمرے کی طرف بڑھے۔
"ہاں... ہیلو... فاران..." رابطہ ملنے پر انہیں سکون ہوا، مگر دوسری جانب کوئی اجنبی سی آواز تھی۔
"کس کا فون ہے مبین... کیا فاران ہے؟"
آغا جان بے چینی سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھے تو دوسری طرف کی بات سنتے مبین آفندی کو جیسے ٹھوکر سی لگی اور وہ اپنے عمر رسیدہ باپ کے بازو کا بے اختیار سہارا لے بیٹھے۔
ان کی رنگت یکلخت سفید پڑ گئی تھی۔ آغا جان نے ان کے ہاتھ کی کپکپاہٹ بہت اچھی طرح اپنے بازو پر محسوس کی تھی۔
"مبین... مجھ سے بات کراؤ۔ فاران ہے کیا؟" وہ متوحش زدہ سے ہوئے، مگر مبین آفندی کی آنکھوں میں چمکتی نمی نے انہیں سن سا کردیا۔ مبین آفندی کا موبائل گر گیا۔
"فاران... نہیں ہے آغا جان..." وہ کرسی پر ڈھے گئے۔ آغا جان کے دل میں درد کی شدید لہر سی اٹھی۔
مبین آفندی کا ٹوٹا ہارا انداز اور آنکھ میں چمکتی نمی ایک ہی اطلاع دے رہے تھے۔
فاران نہیں تھا... فاران نہیں "رہا" تھا۔ ان کے ذہن میں جھکڑ سے چل پڑے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)